مولانا محمد قاسم نانوتوی رحؒ

عبدالوحید صدیقی [1]

انیسویں صدی میں برصغیر پاک و ہند نے بعض بڑی بڑی علمی و مذہبی شخصیات اور فکری و تعلیمی تحریکات کو جنم دیا۔ یہ وہ صدی ہے جس میں برصغیر مکمل طور پر برطانوی تسلط میں آگیا جس کے نتیجے میں یورپ کی جدید تہذیب کے اثرات زندگی کے ہر شعبے میں محسوس کیے جانے لگے۔ ان اثرات میں سے بعض کو بغیر کسی حتمی مزاحمت کے تسلیم کر لیا گیا لیکن بعض ایسے بھی تھے جو یہاں کے مذہبی طبقے کو کانٹے کی طرح چبھنے لگے۔ سب سے بڑی چیز جس نے یہاں کی مسلم آبادی کو برافروختہ کیا، وہ ایک غیر قوم کا سیاسی تسلط اور مذہبی غلبہ تھا۔ اگرچہ یہ کوئی ایسی ان ہونی بات نہ تھی اور اس کے اسباب و علل ان سیاسی، معاشی و معاشرتی حالات میں موجود تھے جو اورنگ زیب عالمگیر کے دور کے بعد اس سرزمین میں آہستہ آہستہ ظہور پذیر ہو رہے تھے اور جن کی طرف شاہ ولی اللہ نے اپنی کتابوں میں اشارات کیے ہیں۔

برطانوی تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لیے انیسویں صدی کے نصف اول میں مختلف تحریکوں نے جنم لیا۔ اس سلسلے میں مختلف سیاسی، مذہبی اور علمی طریقوں کو آزمایا گیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں انگریز کا کھلم کھلا مقابلہ کیا گیا لیکن چونکہ اصل سماجی، معاشی، سیاسی اور مذہبی کمزوریوں کی طرف توجہ مبذول نہ کی گئی لہٰذا یہ ساری کوششیں ناکام ہوئیں۔ البتہ انیسویں صدی کے نصف ثانی میں کچھ ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں جو زوال اور

---

[1] عبدالوحید صدیقی صاحب ایم اے۔ استاد سندھ یونیورسٹی شعبہ اسلامی کلچر و تقابل ادیان

ناکامی کے اصل اسباب کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگیں۔ انہوں نے خود اپنے حالات و مسائل سے واقفیت پیدا کرنے کے علاوہ یورپ کے علم، فلسفہ، فن اور تہذیب سے بھی استفادہ کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ انہی ہستیوں کی کوششیں دیرپا ثابت ہوئیں اور انہی کی وجہ سے ہندوستانی مسلمانوں میں علمی و فکری ارتقاء کے ساتھ ساتھ سیاسی و معاشرتی شعور بھی پیدا ہوا، بقول شیخ محمد اکرام کے :-

"تیرھویں صدی ہجری ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اہم کش مکش کی حامل تھی۔ ان کے سیاسی تنزل کی تکمیل اسی صدی میں ہوئی۔ لیکن ان کے مذہبی احیاء اور معاشرتی اصلاح کے آغاز کا زمانہ بھی یہی تھا۔"

تیرھویں صدی ہجری کی ان علمی و مذہبی ہستیوں نے الگ الگ طریقوں سے دین و ملت کے احیاء اور سیاسی قیادت کی تجدید کی کوششیں کیں گو ان سب کا مقصد واحد تھا، لیکن طریقہائے کار مختلف تھے۔ سید احمد بریلوی، شاہ اسمٰعیل شہید، مولانا عبدالحی، مولانا نصیر الدین منگلوری اور مولوی نصیر الدین دہلوی وغیرہ رحمتہ اللہ علیہم نے ۱۸۲۶ء سے ۱۸۳۹ء تک سلسلہ جہاد جاری رکھا لیکن کامیابی نہ ہو سکی اور ان میں سے اکثر حضرات کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جن حضرات نے حصہ لیا ان کا ذکر اس مضمون کے مقصد سے خارج ہے۔ ان حضرات میں سے مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی ایک تھے۔ اس جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد کچھ اہل بصیرت نے مسلمانوں کی خالص دینی تعلیم اور ان میں جو بدعات پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کے استیصال کی طرف توجہ کی۔ جن میں ہمیں مولانا نانوتوی پیش پیش نظر آتے ہیں اسی زمانے میں مسیحی و آریہ سماجی مشنریوں کی طرف سے اسلام پر جو اعتراضات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کا جدید ذہن کم از کم تشکیک کی سرحد تک پہنچ جاتا تھا۔ اس کی روک تھام کے لیے ڈاکٹر وزیر خاں، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولوی آل حسن اور مولوی سید ناصر الدین کے ساتھ ساتھ مولانا نانوتوی نے بھی تقریری و مناظروں اور تحریری جوابات کا سلسلہ شروع کیا اور اس طرح سے ان جدید علم کلام کی بنیاد رکھی گئی۔

جدید یورپی فلسفہ حصول علم کے استخراجی طرق سے زیادہ استقرائی و تجرباتی طریقوں کو بروئے کار لاتا ہے اور یہی جدید سائنس اور علم کی بنیاد ہے۔ لارڈ میکالے کی ۱۸۳۴ء کی تعلیمی رپورٹ کے بعد پرانے مدارس

سے زیادہ جابجا اسکولوں اور کالجوں کی طرف توجہ دی جانے لگی۔ جن میں تدریجی طور پر استقراء اور تجربات و مشاهدات کو فوقیت دی جاتی تھی۔ مولانا نانوتوی نے اس امر کو محسوس کرتے ہوئے اپنی مناظروں کی تقریروں اور تصنیفات میں استخراج سے زیادہ تمثیلات، محسوسات، تجربات اور مشاہدات کو اساسی استدلال بنایا۔ اور اس طرح مولانا قاری طیب کے الفاظ میں:۔

"اثباتِ مذہب حق کے لیے فلسفیانہ علوم اور ایک نئی اور اچھوتی حکمت کی بنیاد ڈالی، جس میں عقلی ہی نہیں حسی انداز میں اصول و فروع اسلام کو منضبط اور مدلل طریق پر پیش کیا گیا اور فکر و نظر کو اسی انداز میں ڈھال دینے کا عمومی راستہ ہموار کر دیا گیا۔" [۱]

آپ کا یہ طرزِ فکر، نیز مدرسہ دیوبند جیسے عظیم الشان تعلیمی و روایتی مرکز کی تاسیس، آپ کے ایسے کام ہیں، جن کی بدولت آپ کو سرزمینِ ہند کے مسلمانوں کے دلوں میں بہت بڑا استقام حاصل ہے بقول مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے :۔

"آپ چودھویں صدی ہجری کے مجددین میں سے تھے اور آپ نے ولی اللھی حکمت و معارف کو اہلِ ہند کے لیئے زمانۂ حاضر کے لباس میں پیش کیا۔"

مولانا نانوتوی کی ان علمی، فکری، سیاسی اور مذہبی کوششوں کی تفصیل اور اس سلسلے میں ان کے ذہنی ارتقاء پر بحث کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کا ایک مختصر سا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی ضلع سہارن پور یوپی کے ایک چھوٹے سے تاریخی قصبہ نانوتہ میں ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں پیدا ہوئے۔ یہ قصبہ دہلی سے شمال کی جانب تقریباً ایک سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مولانا محمد قاسم کا سلسلۂ نسب حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اس خاندان کے ایک بزرگ مولوی محمد ہاشم کو شاہ جہان بادشاہ کا تقرب حاصل تھا۔ بادشاہ نے آپ کو نانوتہ کے

---

[۱] سوانح قاسمی از مناظر احسن گیلانی۔ مقدمۂ کتاب از قاری طیب۔ دیوبند ص۹۔

اطراف میں چند دیہات جاگیر میں دیے۔ آپ نے نانوتہ کو اپنا مستقل مسکن بنایا۔ اور ان کے بعد ان کا خاندان یہاں رہنے لگا۔

آپ کے والد شیخ اسد علی صدیقی اگرچہ فارسی کے مشہور شاعر فردوسی کے شاہنامہ تک پڑھے ہوتے تھے لیکن علم سے انہیں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ ان کی ساری عمر کھیتی باڑی میں گزری[1] البتہ آپ کے دوسرے عزیزوں میں کچھ ایسے لوگ ضرور تھے جو علوم مروجہ سے کماحقہٗ واقف تھے۔ ان میں آپ کے چچا[2] مولانا مملوک علی کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ انیسویں صدی کے نصف آخر کے کئی مشہور علماء مثلاً ذکاء اللہ، نذیر احمد، سرسید احمد خاں، عبدالرحمٰن پانی پتی، احمد علی سہارن پوری، محمد مظہر نانوتوی، رشید احمد گنگوہی اور محمد یعقوب نانوتوی کے استاد تھے[3] ان کی علمی لیاقت کے متعلق سرسید احمد خاں لکھتے ہیں:-

"جناب مولوی مملوک علی شاگرد مولوی رشید الدین خاں معقول و منقول میں استعداد کامل اور کتب درسیہ کا ایسا استقصاء ہے کہ فرض کرو کہ ان کتابوں سے گنجینۂ علم خالی ہو جائے تو ان کی نقل ممکن ہے۔"

مولانا محمد قاسم نانوتوی بچپن سے ہی علمی رجحانات رکھتے تھے۔ آپ کے عربی کے سب سے پہلے استاد اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے تایا مولانا مہتاب علی نے ظریفانہ طور پر آپ کا نام "علم کی بکری" تجویز کیا تھا[4] آپ بڑے ذہین، طباع، بلند ہمت، تیز، وسیع الحوصلہ، جفاکش، جری، چست اور چالاک تھے[5]

ابتدائی تعلیم نانوتہ میں حاصل کرنے کے بعد آپ نے دیوبند میں مولانا مہتاب علی کے مکتب میں عربی پڑھنی شروع کی۔ بعد ازاں آپ سہارن پور میں اپنے نانا کے پاس چلے گئے جو یہاں وکالت کرتے تھے اور نہایت

---

[1] محمد یعقوب نانوتوی "سیدنا الامام الکبیر" ص ۲-۳

[2] مولانا عبیداللہ سندھی کے بیان کردہ رشتہ کے مطابق مولانا نانوتوی، مولانا مملوک علی کے بھتیجے تھے۔ (موج کوثر ۱۹۸)

[3] عبیداللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ ص ۲۱۶

[4] عزیز الرحمٰن قاسمی، مولانا نانوتوی کی تعلیمی زندگی۔ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند۔ نومبر ۱۹۵۹ء

[5] سیدنا الامام الکبیر ص ۲۶ از مولانا محمد یعقوب۔

عزت و احترام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ وہاں مولانا محمد قاسم کو علمی و ادبی ماحول میسر آیا۔ آپ کے نانا فارسی ادب میں اچھی مہارت رکھنے کے علاوہ اُردو کے شاعر بھی تھے۔ سہارن پور میں آپ کو مولوی محمد نواز کے سپرد کیا گیا اور ان کے پاس آپ نے کافیہ تک کتب پڑھیں۔ اس کے بعد آپ کو کوئی ایک سال تک دینی تعلیم چھوڑنی پڑی، کیونکہ سہارن پور میں ہولناک وبائی بخار پھیل گیا جس میں آپ کے نانا کا انتقال ہو گیا اور مجبوراً آپ کو سہارن پور کی رہائش ترک کرنی پڑی۔

اتفاق سے ۱۲۵۹ھ میں مولانا مملوک علی صاحب اپنے عزیزوں سے ملنے کے لیے نانوتہ آئے۔ اس وقت موصوف دہلی کے مشہور اینگلو عربک کالج میں پروفیسر تھے۔ آپ نے مولانا نانوتوی کی ذہانت اور علمی استعداد کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ وہ آپ کو اپنے ساتھ دہلی لے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مولانا نانوتوی کی اصلی تعلیم و تربیت کا زمانہ یہاں سے شروع ہوتا ہے۔

دہلی میں آپ نے سب سے پہلے مولانا مملوک علی سے کافیہ پڑھنا شروع کیا۔ ایک سال بعد مولانا رشید احمد گنگوہی بھی مولانا مملوک علی کے یہاں بحیثیت ایک طالب علم کے آئے اور جلد ہی مولانا نانوتوی کے ہم سبق ہو گئے[1]۔ یہاں ان دونوں بزرگوں کی نہ صرف ظاہری تعلیم ہوئی بلکہ انہیں ۱۸۵۷ء کے اس محاربۂ آزادی کے لیے بھی تیار کیا گیا۔ جس میں کہ تحریک ولی اللہی کے قائدین کو حصہ لینا تھا۔ بات یہ ہے جیسا کہ مولانا عبید اللہ سندھی نے لکھا ہے کہ ان کے استاد مولانا مملوک علی ایک باکمال استاد ہونے کے علاوہ ۱۸۴۱ء سے ۱۸۴۶ء تک تحریک ولی اللہی کے دورِ ثانی کے امام اور مولانا محمد اسحاق کے نائب بھی تھے۔ ظاہراً وہ انگریزی حکومت کے ملازم تھے لیکن فی الحقیقت وہ شاہ ولی اللہ کی اس دینی، علمی، سیاسی و سماجی تحریک کے کارکنوں میں تھے جسے ایک سو برس قبل شاہ صاحب احیائے ملت کے لیے وجود میں لائے تھے۔

ظاہری تعلیم کے سلسلہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اکثر درسی کتب مولانا مملوک علی سے پڑھیں۔ آپ کا معقولات کی طرف خاص رجحان تھا۔ معقول کی مشکل سے مشکل کتابوں کو پڑھنے اور سمجھنے میں انہیں

---

[1] مولانا نانوتوی کی تعلیمی زندگی (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

انہیں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ میرزاہد، قاضی، صدرا، شمس بازغہ وغیرہ اس طرح پڑھتے تھے جیسے حافظ قرآن منزل سناتا ہے[۱] دوسرے طالب علموں کی طرح آپ ان کتب کا ترجمہ نہیں کرتے تھے اور نہ سبق پڑھنے سے پہلے مطالعہ کرتے تھے بلکہ ایسا پڑھتے تھے جیسے تلاوت ہو رہی ہے[۲]

علوم مروجہ کی تقریباً سب کتب ختم کرنے کے بعد مولانا نانوتوی نے شاہ عبدالغنی اور مولانا احمد علی سہارن پوری سے حدیث پڑھی۔ معقولات کی طرح منقولات میں بھی آپ دوسرے طلبا سے ممتاز تھے۔ حدیث پڑھتے وقت بالعموم آپ یہ سوچا کرتے تھے کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں فرمائی[۳]

درس نظامی سے فراغت کے بعد آپ کچھ عرصہ تک دہلی کے اینگلو عربک کالج میں پڑھتے رہے اور اس سلسلے میں آپ نے حساب، اقلیدس وغیرہ میں اپنی غیر معمولی قابلیت دکھائی لیکن آپ کالج کے امتحان میں شریک نہ ہوئے۔

اس زمانے میں مولانا احمد علی محدث سہارن پوری حدیث کی قلمی کتب کی تصحیح، تحشیہ اور اشاعت میں مصروف تھے۔ مولانا نانوتوی نے ان کے یہاں ملازمت کر لی اور اس دوران میں صحیح بخاری کے آخری پانچ اجزاء پر حاشیہ لکھا۔ ان اجزاء کے وہ مقامات خاص طور پر مشکل تھے جن میں امام بخاری نے امام ابوحنیفہ پر اعتراضات کیے ہیں۔ مولانا نانوتوی نے ان اجزاء کی تصحیح و تحشیہ میں غیر معمولی کاوش سے کام لیا۔ حنفی مذہب کی تائید میں مستند دلائل دیئے[۴]

اس زمانے میں مختلف چھاپہ خانوں میں دینی کتابوں کی تصحیح و تحشیہ کا کام آپ کا ذریعہ معاش تھا۔

---

[۱] سیدنا الامام الکبیر

[۲] مولانا تھانوی قصص الاکابر ص۲۹ - الھادی جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ

[۳] مولانا اشرف علی تھانوی - الھادی جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ

[۴] اعجاز الحق قدوسی، شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات ص۵۶۳

[۵] الامام الکبیر۔

یہ بھی گویا ایک طرح سے ان کا حصولِ علم ہی کا زمانہ تھا۔ دورۂ حدیث کے اثنا میں ہی مولانا نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے مل کر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت کر لی تھی۔ آپ نے کچھ عرصہ شیخ کی خدمت میں رہ کر منازلِ سلوک طے کیں۔ اس دوران میں آپ نے وعظ و فتویٰ سے الگ رہ کر زیادہ وقت ذکر اور مراقبہ میں گزارا اور بڑی سادگی اور تقشف سے زندگی بسر کر لی۔ بالآخر حاجی صاحب نے یہ کہتے ہوئے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا ——— "قاسم کے زہد و تقویٰ کی مثال پہلے زمانے میں ملے تو ملے لیکن ہمیں اس زمانے میں نہیں ملتی۔"

شیخ مظفر حسین کاندھلوی کے اصرار پر آپ نے منبر سے پہلی بار وعظ فرمایا اور پھر رفتہ رفتہ آپ کو وعظ میں کمال حاصل ہو گیا۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ یہ کہنے لگ گئے کہ مولانا کی خوش بیانی اور پُرگوئی یا تو وعظ میں ہوتی ہے یا سبق پڑھانے میں۔ باقی آپ کی معمولی گفتگو قصباتی ہے۔[۱]

وعظ پر اس قدر قدرت ہونے کے باوجود آپ عام طور پر وعظ نہ کہتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے اصرار کیا تو فرمایا ——— "وعظ ہم لوگوں کا کام نہیں اور نہ ہمارا وعظ کچھ مؤثر ہو سکتا ہے۔ وعظ کا کام تھا مولانا اسمٰعیل شہید کا اور انہی کا وعظ مؤثر بھی تھا۔"[۲]

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مولانا نانوتوی کے حصہ لینے کے متعلق اختلافِ آرا ہے۔ آپ کے سب سے قریبی رشتہ دار اور دوست مولانا محمد یعقوب ولد مولانا مملوک علی کے بیان کے مطابق آپ فسادوں سے کوسوں دُور تھے۔[۳] یہ آپ کے دشمنوں کی پھیلائی ہوئی بات تھی کہ آپ تھانہ بھون اور شاملی کے فساد میں شریک تھے۔ اسی بنا پر آپ کچھ عرصے تک رُوپوش رہے۔ پھر پنجاب اور سندھ ہوتے ہوئے کراچی سے حج کرنے چلے گئے۔

---

[۱] مولانا تھانوی: حکایاتِ اولیاء۔ لاہور ۱۹۵۷ء ص ۲۲۹

[۲] مولانا تھانوی، حکایاتِ اولیاء۔ ص ۲۲۷

[۳] سیدنا الامام الکبیر، از مولانا محمد یعقوب

مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا محمد میاں ناظم جمعیت علمائے ہند نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں آپ کی شرکت کی نوعیت کی وضاحت ہوتی ہے۔ مولانا سندھی کی تحقیق یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء سے تقریباً ۱۶ سال قبل ہندوستان کے حالات کو ناسازگار پاکر مولانا محمد اسحاق نے تحریک ولی اللہی کا مرکز دہلی سے مکہ معظمہ منتقل کر دیا۔ اور دہلی میں ایک نمائندہ بورڈ مقرر کیا۔ جو ہندوستان میں ان کی نیابت کرتا تھا۔ اس بورڈ کے صدر مولانا مملوک علی صاحب تھے ان کے بعد اس کی صدارت حاجی امداد اللہ صاحب کے سپرد کی گئی۔ مولانا نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی بھی اس جماعت میں شامل تھے۔ اس جماعت کا براہ راست ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن چونکہ جنگ آزادی شروع ہو گئی تھی اس لیے قدرتاً اس ولی اللہی جماعت کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ آیا وہ اس محاربہ میں شریک ہو یا اس سے بے تعلق رہے۔ چنانچہ یہ فیصلہ کرنے کے لیے جماعت کے سربرآوردہ حضرات کا اجتماع ہوا اور اس میں یہ طے پایا کہ بجائے "فسادیوں" کے ساتھ شامل ہونے کے یہ جماعت الگ سے جہاد کرے۔ اس سلسلے میں حاجی امداد اللہ صاحب امیر مقرر کیے گئے اور مولانا نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، حافظ ضامن اور مولانا محمد منیر وغیرہ کو دوسرے انتظامات دیئے گئے۔ اس جماعت کا بڑی آسانی سے تھانہ بھون پر قبضہ ہو گیا۔ وہاں سے شاملی کی طرف کوچ کیا گیا۔ ان کا نصب العین دہلی تھا[1] راستہ میں کئی مقامات پر معرکے ہوئے۔ مولانا نانوتوی کے متعلق حضرت حاجی صاحب نے مولانا محمد منیر صاحب سے کہا:۔

"محمد قاسم بالکل آزاد اور جری ہیں۔ ہر صف میں بے محابا گھس جاتے ہیں"[2] مولانا عاشق علی کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب، مولانا گنگوہی، مولانا نانوتوی اور حافظ ضامن صاحب کا مقابلہ بندوقچیوں سے ہو گیا۔ پھر کیا تھا:۔

"یہ نبرد آزما جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹنے

---

[1] مناظر احسن گیلانی، سوانح قاسمی ج ۲ ص ۱۲۹۔

[2] " " " ص ۱۳۷ — ۱۴۱۔

جانے والا نہ تھا۔ اس لیے اٹل پہاڑ کی طرح پر اجما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جان نثاری کیلئے تیار ہو گیا۔ اللہ رے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتا پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لیے جم غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لیے ہیں۔ چنانچہ آپ پر فائر ہوئے اور حضرت حافظ ضامن ؒ زیر ناف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے [۱۰]

اِن معرکوں کے بعد شاملی پر ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو مجاہدین کا قبضہ ہو گیا[۱۱] لیکن انہی دنوں انگریزوں نے دہلی فتح کر لی اور جنگ آزادی کا مرکز ان کے ہاتھ آ گیا۔ اس سے لوگوں کی ہمتیں پست ہو گئیں اور سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ دہلی فتح کرنے کے بعد انگریزی فوجیں تھانہ بھون کی طرف بڑھیں باوجود اس کے کہ مجاہدین بڑی بہادری سے لڑے لیکن بالآخر شکست کھائی۔ حاجی امداد اللہ، مولانا عبدالغنی اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی تو بچ کر نکل گئے اور بسلامت مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ لیکن مولانا نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی ہندوستان ہی میں رہے۔

اوپر کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں تک اس فتنہ و فساد کا تعلق ہے جو ۱۸۵۷ء کے محاربۂ آزادی کے سلسلے میں ہوا یہ بزرگ اس سے بے تعلق رہے۔ اور اس کو انہوں نے اچھا نہیں سمجھا لیکن وہ اس موقع پر انگریزوں کے خلاف لڑے ضرور، اور خود اپنی کمان بنا کر لڑے۔ گویا وہ "فسادیوں" کے ساتھ شریک نہیں تھے لیکن جنگِ آزادی میں انہوں نے اپنا فرض لازماً ادا کیا۔ انہوں نے جہاد کیا اور جہاد فساد نہیں ہوتا بلکہ قاطع فساد ہوتا ہے۔[۱۲]

۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے فرو ہونے کے بعد مولانا محمد قاسم کے نام وارنٹ جاری کیے گئے اور ان کی

---

[۱۰] تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۷۴

[۱۱] سر سید احمد خاں۔ لائل محمڈنس آف انڈیا۔

[۱۲] علمائے ہند کا شاندار ماضی —— از سید محمد میاں

گرفتاری کے لیے انعام کا اعلان بھی ہوا۔ اس پر آپ روپوش ہو گئے اور دو سال تک گاؤں گاؤں اور شہر شہر پھرتے رہے اور گرفتار نہیں ہوئے۔ اس اثنا میں حاجی امداد اللہ صاحب مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے۔ مولانا نانوتوی نے بھی مکہ معظمہ کا قصد فرمایا۔ وہ پنجاب سے ہوتے ہوئے سندھ پہنچے اور وہاں سے ۱۲۷۷ھ (۱۸۶۰ء) کو جہاز میں بیٹھ کر حجاز مقدس کو روانہ ہوئے۔ آپ نے ایک سال حجاز مقدس میں گزارا پھر واپس وطن لوٹے[1] اور دہلی میں منشی ممتاز علی کے مطبع مجتبائی میں ملازمت کر لی[2] اس کے ساتھ ساتھ ان کی یہ کوشش بھی جاری رہی کہ کسی طرح شاہ محمد اسحاق کے اس کام کو جسے وہ حجاز جاتے ہوئے ایک نمائندہ بورڈ کے سپرد کر گئے تھے شروع کر سکیں، یعنی امام عبدالعزیز کے مدرسۂ دہلی کے نمونے پر ایک مدرسہ قائم ہو جو آگے چل کر ولی اللہی تحریک کا مرکز بن سکے۔

ولی اللہی تحریک کے قائدین نے مناسب سمجھا کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد منیر اور مولانا محمد مظہر ہندوستان میں رہ کر تحریک کو نئے سرے سے ایسے انداز میں شروع کریں کہ حکومتِ برطانیہ کو اس پر کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو۔ چنانچہ اس کی بہترین صورت یہی تھی کہ ملک کے اندر دینی مدارس قائم کیے جائیں جہاں سے ایسے علما فارغ التحصیل ہوں جو معاشرتی و دینی اصلاح کے ساتھ ساتھ سیاسی جدوجہد میں بھی حصہ لے سکیں۔ اس مقصد کے پیشِ نظر دارالعلوم دیوبند، جامعہ قاسمیہ، مدرسہ شاہی مراد آباد اور مظاہر العلوم سہارن پور قائم ہوئے اور انہیں سیاسیات سے علیحدہ رکھنے کا اعلان کیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کی ابتدا ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ (۳۰ مئی ۱۸۶۷ء) کو دیوبند کی چھتہ کی تاریخی مسجد میں ایک طالب العلم محمود (جو آگے چل کر شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے نام سے مشہور ہوئے) اور ایک استاد ملا محمود سے ہوئی[3] یہ نہایت معمولی ابتدا تھی۔ جس کے اصل محرک مولوی فضل الرحمٰن (مولانا شبیر احمد عثمانی کے والد) اور مولوی

---

[1] مولانا محمد یعقوب نانوتوی ——— بیاض یعقوبی

[2] " " "

[3] تاریخ دیوبند از سید محبوب رضوی

ذوالفقار علی تھے۔ مولانا محمد قاسم نے اس مدرسے کو شروع ہی سے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ اسی سال مولانا مملوک علی کے فرزند مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے محکمۂ تعلیم میں اپنی ملازمت سے استعفا دے دیا۔ اور وہ مدرسے کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ پہلے سال کے اختتام تک طلبہ کی تعداد ۸۰ تک پہنچ گئی[1]۔ اس تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ مسجد چھتہ ناکافی ثابت ہوئی اور ۱۸۷۶ء میں دارالعلوم کی موجودہ عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اس موقع پر ایک بہت بڑا مجمع تھا، جسے مخاطب کرتے ہوئے مولانا نانوتوی نے فرمایا۔

"عالمِ مثال میں اس مدرسے کی شکل ایک معلق ہانڈی کی مانند ہے۔ جب تک اس کا مدار توکل علی اللہ پر رہے گا، یہ مدرسہ ترقی کرتا رہے گا۔"[2]

مولانا محمد قاسم اگرچہ علم و فضل میں اپنے دور میں یکتائے روزگار تھے، لیکن عام لوگوں میں آپ کی شہرت زیادہ تر اُن مناظروں اور مباحثوں کی وجہ سے ہوئی جو آپ کے اور آریہ سماجیوں اور عیسائیوں کے درمیان ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں اس سرزمین میں انگریزی حکومت کے پاؤں جم چکے تھے اور اس نے ہر فرقے کو جو مذہبی آزادی دی تھی، اس کی وجہ سے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کی طرف سے اسلام پر عام اعتراضات کیے جا رہے تھے اور اس طرح اسلام کے خلاف غیر مسلموں کا تقریری و تحریری محاذ قائم ہو گیا تھا۔

۱۲۹۳ھ کا ذکر ہے۔ ضلع شاہ جہان پور کے ایک ذی مقدور اور صاحب جائیداد شخص منشی پیارے لال کبیر پنتھی نے عیسائیوں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک مذہبی مناظرے کا انتظام کیا اور اس کا نام "میلۂ خدا شناسی" رکھا۔ اس میلے میں عیسائیوں کی طرف سے پادری نولس اور مسلمانوں کی طرف سے مولانا محمد قاسم اور مولوی سید ابوالمنصور دہلوی شریک ہوئے[3]۔ مولانا محمد قاسم نے ابطالِ تثلیث و شرک اور اثباتِ توحید پر تقریر فرمائی۔ اس ضمن میں اتنے پختہ، مؤثر اور وزنی دلائل دیے کہ کسی سے ان کا جواب بن نہ پڑا اور مناظرے

---

[1] تاریخ دیوبند ——— از سید محبوب رضوی۔

[2] " " " " "

[3] مباحثۂ شاہ جہان پور ——— مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱۴ء

کی کامیابی کا سہرا مولانا محمد قاسم کے سر رہا۔ قرب و جوار کے لوگوں میں مولانا کی یہ کامیابی نیلی لنگی کی کامیابی کہی گئی اور یہ مناظرہ اس نام سے مشہور ہوا[1]۔ یہ اس لیے کہ مولانا محمد قاسم اس مناظرے میں نیلی لنگی پہنے ہوئے تھے۔

اگلے سال ایک اور مباحثہ ہوا، جس میں ہندوؤں کی طرف سے آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرستی اور منشی اندرمن اور عیسائیوں کی طرف سے پادری اسکاٹ، پادری نولس اور پادری واکر وغیرہ شریک ہوئے[2]۔ مولانا محمد قاسم کے علاوہ مولانا محمد علی جو مذہب ہنود پر بڑا عبور رکھتے تھے، مسلمانوں کی اس مباحثہ میں نمائندگی کر رہے تھے۔ ضلع شاہ جہان پور کے منشی پیارے لال کبیر پنتھی بانی میلہ خداشناسی نے اہل مباحثہ کے سامنے پانچ سوالات کیے تھے جن کے جوابات مولانا محمد قاسم نے اس قدر مدلل اور مثبت طریقے سے دیئے کہ گزشتہ سال والے مباحثے کا سماں بندھ گیا۔ اور حاضرین مولانا کے علم و فضل پر عش عش کر اٹھے۔ یہ سوالات حسب ذیل تھے :-

۱- دنیا کو خدا نے کس چیز سے بنایا اور کس وقت اور کس واسطے ؟

۲- خدا کی ذات محیط کل ہے یا نہیں ؟

۳- خدا عادل بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ دونوں کس طرح ؟

۴- وید، بائبل اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی کیا دلیل ہے ؟

۵- نجات کیا ہے اور وہ کس طرح حاصل ہو سکتی ہے ؟[3]

شاہجہان پور کے اس دوسرے میلے کے بعد رڑکی میں آریہ سماجیوں کی طرف سے اسلام کے خلاف ایک بڑا ہنگامہ کھڑا کیا گیا۔ ہوا یہ کہ پنڈت دیانند سرسوتی نے رڑکی پہنچ کر وہاں ایک اجتماع میں برسر عام اسلام پر طرح طرح کے فلسفیانہ اعتراضات کیے۔ جب مسلمانوں نے ان کا جواب دینا چاہا اور پنڈت

---

[1] مباحثہ شاہ جہان پور۔ مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱۴ء۔

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۔

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۔

دیانند سرسوتی سے اس بارے میں مباحثہ کرنے کا کہا تو اس نے جواب دیا کہ میں مولانا محمد قاسم کے سوا کسی سے مباحثہ کرنے کو تیار نہیں۔ ان دنوں مولانا نانوتوی بیمار تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ رڑکی پہنچے، اور پنڈت دیانند سرسوتی کو مباحثہ کرنے کی دعوت دی۔ لیکن وہ ٹال مٹول کرنے لگے اور ایک رات رڑکی سے چپکے سے چلے گئے۔ اس پر مولانا نانوتوی کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ جس طرح پنڈت دیانند نے برسرِ عام اسلام پر اعتراضات کیے تھے، وہ ان کا اسی طرح برسرِ عام جواب دیں۔ اور اسلام کی حقانیت ثابت کریں۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم نے مسلسل تین دن تک رڑکی میں عام جلسے میں تقریر کی۔ اور اس میں پنڈت دیانند کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا۔ پنڈت دیانند نے اسلام پر گیارہ اعتراضات کیے تھے، جن میں ایک اعتراض خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر تھا۔ مولانا محمد قاسم نے نہ صرف اپنی تقریر میں اس کا جواب دیا بلکہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی، جس کا نام "قبلہ نما" ہے۔ باقی کے جو دس اعتراضات تھے۔ ان کا رد ایک اور کتاب "انتصار الاسلام" میں کیا۔ اس کتاب میں مولانا نانوتوی نے صرف پنڈت دیانند سرسوتی کے اعتراضات کا جواب نہیں دیا۔ بلکہ سرسید احمد خاں نے فرشتوں، جنوں، شیطان اور اس قسم کی دوسری مابعد الطبیعی مخلوقات کی جو تشریحات کی ہیں، ان کا محاکمہ بھی کیا۔

ان تقریری و تحریری مباحثوں کے علاوہ مولانا محمد قاسم کے اور بھی متعدد رسائل اور کتابیں ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل خاص طور پر مشہور ہیں:۔

۱۔ گفتگوئے مذہبی	۲۔ مباحثۂ شاہجہان پور
۳۔ انتصار الاسلام	۴۔ حجۃ الاسلام
۵۔ قبلہ نما	۶۔ تحذیر الناس
۷۔ مناظرہ عجیبہ	۸۔ آبِ حیات
۹۔ قصائد قاسمیہ	۱۰۔ تقریر دلپذیر
۱۱۔ فیوضِ قاسمیہ	۱۲۔ اسرارِ قرآنی
۱۳۔ دلیلِ محکم	۱۴۔ ھدیۃ الشیعہ

۱۵- الحق الصریح فی بیان التراویح		۱۶- تصفیۃ العقائد

۱۷- تحفہ لحمیہ		۱۸- لطائف قاسمیہ

۱۹- قاسم العلوم

افسوس ہے مولانا محمد قاسم نے بہت کم عمر پائی - ابھی بمشکل پچاس برس کے بھی نہیں تھے کہ داعئ اجل کا بلاوا آگیا - اور ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) کو ضیق النفس کی بیماری میں دیوبند میں آپ کا انتقال ہوگیا - آپ کی بے وقت موت کا صرف آپ کے عقیدت مندوں اور ہم خیالوں ہی کو سخت صدمہ نہیں ہوا - بلکہ جو لوگ آپ سے فکری اعتبار سے اختلاف رکھتے تھے، انہوں نے بھی آپ کا بڑے سوز و گداز سے ماتم کیا - اور آپ کی موت کو ایک بہت بڑا نقصان بتایا - سچ ہے "الفضل ما شہدت بہ الاعداء" مثال کے طور پر اس حادثے کا ذکر کرتے ہوئے سر سید احمد خاں نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے ۲۴ اپریل ۱۸۸۰ء کے شمارے میں جو لکھا ہے - اسے یہاں درج کیا جاتا ہے :-

" زمانہ بہتوں کو رو چکا ہے اور آئندہ بھی بہتوں کو روئے گا، لیکن ایسے شخص کے لیے رونا جس کے بعد اس کا کوئی جانشین نظر نہ آئے، نہایت رنج و غم اور افسوس کا باعث ہوتا ہے . . . . لوگوں کا خیال تھا کہ بعد جناب مولوی اسحاق کے کوئی شخص ان کی مثل ان تمام صفات میں پیدا ہونے والا نہیں ہے - مگر مولوی محمد قاسم مرحوم نے اپنی کمال نیکی، دینداری، تقویٰ اور ورع اور مسکینی سے ثابت کر دیا کہ اس دلی کی تعلیم و تربیت کی بدولت مولوی محمد اسحاق صاحب کی مثل ایک اور شخص کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے بلکہ چند باتوں میں ان سے زیادہ ہے . . . . مسائل خلافیہ میں بعض لوگ ان سے ناراض تھے اور بعضوں سے وہ ناراض تھے - مگر جہاں تک ہماری سمجھ ہے، ہم مولوی محمد قاسم کے کسی فعل کو خواہ کسی سے ناراضی کا ہو، خواہ کسی سے خوشی کا ہو، کسی طرح ہوائے نفس یا ضد یا عداوت پر محمول نہیں کر سکتے - ان کے تمام کام اور افعال جس قدر کہ تھے، بلا شبہ للّٰہیت اور ثواب آخرت کی نظر سے تھے"[1]

---

[1] مقالات سر سید حصہ ۲